فرازِ کوثر
پر ہیں یہ قرطاس و قلم یا اللہ
غیب سے ہو گی مدد آج بھی انشاء اللہ
مرثیہ
در حال
حضرت عبّاس علمدار علیہ السلام
خیمۂ فکر تلک آ گئی مدحت کی فرات
اب تو مشکیزۂ فن آپ ہی بھر جائے گا
تخلیق کار
کوثرؔ زیدی کیرانوی

فہرست

نام کتاب : فرازِ کوثر

مرثیہ : درحال حضرت عباسؑ

مصنف : کوثرؔ زیدی کیرانوی

نام : سید محمد حسین

سنہ اشاعت : ۲۰۰۹ء

ایڈیشن : پہلا

تعداد کتاب : ایک ہزار

کمپوزنگ : فیض کمپیوٹر، کیرانہ

ناشر : سید صداقت حسین زیدی

پتہ : میراں حویلی، سہد ریان، کیرانہ، مظفر نگر (یوپی) انڈیا

رابطہ : 9897019214

دستیاب

سید شبیہ حیدر زیدی
سید شہزاد حسین رضوی
D.D.A.,A-4 ، کالونی
نیو جعفر آباد، دہلی

مولانا سید معراج مہدی
محلّہ پٹھان پورہ
منگلور (ہری دوار) اتراکھنڈ

سید علی حیدر زیدی
(سابق وزیر اترانچل سرکار)
زیدی ہاؤس، محلّہ قلعہ
منگلور (ہری دوار) اتراکھنڈ

جملہ حقوق نذرِ مؤمنین کرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

عصرِ حاضر کی ان دو ہستیوں کے نام جو میرے نزدیک

دو چاند آسمانِ حُسینی ادب کے ہیں

عاشور کاظمی ہوں کہ ریحان اعظمی

حضرت عاشور کاظمی (لندن) قریب سے ملنے کا اتفاق صرف محفلوں میں ہوا، مگر اس عظیم ہستی کی اردو نوازی خصوصاً حسینی ادب میں جو خدمات ہیں وہ بے مثل ہیں'' مرثیہ جیسی مشکل ترین صنفِ سخن پر لندن میں رہ کر اتنا بڑا کام کیا ہے جو دنیائے رثائی ادب میں ایک عظیم کارنامہ کہا جائے۔

ڈاکٹر ریحان اعظمی (پاکستان) یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے کربلائی ادب کو اپنے تین ہزار نوحوں کے ذریعہ دنیائے عزاداری کی گنیز بک میں سرفہرست رکھ کر جناب معصومۂ کونینؑ سے اپنے لئے اپنے اجداد کے لئے اپنی نسلوں کے لئے'' اپنے معاونین کے لئے دنیا و آخرت میں جزا کا حق حاصل کرلیا۔

ان دونوں حضرات کی توفیقات میں پرودگارِ عالم مزید اضافہ فرمائے اور طویل عمر سے سرفراز فرمائے۔ آمین

کوثر زیدی کیرانوی

پروفیسر ڈاکٹر ناشر نقوی

(صدر شعبۂ فارسی اردو)

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب (انڈیا)

کوثر زیدی کیرانوی

اور

مرثیہ

مرثیہ ادب کی وہ واحد صنف ہے جس کی بنیاد کردار اور کردار سازی ہے، مرثیہ کا اولین سبق ذلت کی زندگی جھیلنے سے بہتر سر کو کٹا دینا ہے، مرثیے کے کلیدی کردار حضرت امام حسینؑ نے کربلا کے ریگزار پر اپنے خون سے جو تاریخِ شہادت تحریر کی اس نے انسانی تاریخ کی تہذیبی، معاشرتی اور علمی سوچ میں تلاطم برپا کر دیا۔

مولوی عبدالحق کے بقول "مسلمانوں کی المیہ شاعری امام حسینؑ کی شہادت ہے"

مرثیے میں ہم ان شہیدوں کے کردار سے ملتے ہیں جن کے سبب 'مردہ تہذیبوں کو جھنجھوڑنے' کا عزم ملتا ہے۔ مرثیہ وہ واحد صنف ہے جو ضمیروں پر دستک دیتی ہے۔ قابل ہزار ستائش ہیں وہ دانا و فہیم شعراء جو مرثیے کے حوالے سے انسان کے رشتوں کی صداقت کو عظمت و اشاعت دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں مرثیہ نگاروں کی صف میں ایک اور نام کوثر زیدی کیرانوی کا جڑا ہے جو جدید مرثیہ نگاری میں ایک سنگِ میل ہے۔ مرثیہ کے دربار میں شرفِ بازیابی حاصل کرنے والا شاعر کوثر زیدی عقیدت اور یقینِ محکم کے

ساتھ پُرعزم دکھائی دے رہا ہے جو سرورق اس بیت کے سائے میں خود کو مطمئن رکھتا ہے۔

اس یقیں پر ہیں یہ قرطاس وقلم یا اللہ
غیب سے ہوگی مدد آج بھی انشاء اللہ

اس میدان میں ۔کوثر زیدی کیرانوی کا نام اردو کی شعری دنیا میں نیا نہیں ہے' غزل اور حسینی شاعری میں موصوف چار دہائیوں سے مصروف ہیں اور اعتبار و معیار حاصل کر چکے ہیں' کئی شعری مجموعے بھی کوثر زیدی ہمیں دے چکے ہیں' لیکن مرثیے سے انہوں نے اب رشتہ جوڑا ہے۔

مرثیہ چونکہ ایک صبر آزما صنف سخن ہے اس لئے ہر کس ناکس اس سے جڑ بھی نہیں سکتا' غالبؔ جیسے شاعر نے بھی یہ کہہ کر مرثیے سے جان بچالی تھی کہ اس میدان کا مرد بننا آسان نہیں ہے' کوثر زیدی کی پہلی کوشش و کاوش معیاری ہونے کے ساتھ ساتھ وقاری بھی ہے۔

(۷۲) بندوں پر مشتمل زیرنظر مرثیہ پورے اہتمام و التزام سے مزین ہے اسی میں بزم ورزم کے عناصر بھی موجود ہیں اور جدت وندرت کے ساتھ تنوع بھی۔

زیرِ نظر مرثیہ مطلع سے مقطع تک ربط وضبط' تخلیقی ژرف نگاہی اور صلابتِ فکر کی مثال ہے۔کوثر زیدی نے اپنے اس پہلے مرثیے میں جو پہچان کی تلاش نکالی ہے وہ ان کے اپنے ہی اس بند سے واضح ہے۔

قد وقامت میں جو حاصل ہے کمال اپنی جگہ
عشقِ ممدوح میں شاعر کا خیال اپنی جگہ

چال میں حضرتِ عباس کا چال اپنی جگہ
حُسن میں حضرتِ یوسف کا جمال اپنی جگہ
شکلِ عباس تصور میں اگر لائیں گے
اُنگلیاں کاٹ لیں خود اپنی زلیخائیں بھی

ممدوح کے بیانِ حُسن میں، قد و قامت، عشق، چال، حُسن اور شکل الفاظ لف و نشر مرتب مراۃ النظیر اور جمالِ یوسف سے زلیخائیں کہکر تلمیح پیش کر کے کوثر زیدی نے اس مرثیے میں علم البیان کی اپنی آگہی کے بھی ثبوت مُہیا کئے ہیں۔

مجموعی طور پر کوثر زیدی کا یہ نیا مرثیہ جدید مرثیہ نگاری میں ایک اضافہ ہے، ہر نئی کاوش اپنے بعد آنے والی کوشش کے لئے بہتر اشارہ کرتی ہے، یقیناً کوثر زیدی کا اگلا اور پھر اُس سے اگلا مرثیہ بہتر سے بہتر ہوتا چلا جائے گا، منزل کا پہلا راستہ بنانا ہی بڑی بات ہوتی ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ڈاکٹر ناشر نقوی
۱۵/ اپریل ۲۰۰۹ء

خطیب آلِ محمدؑ
مولانا غضنفر عباس طوسی

حُسینی ادب کا معتبر سخنور

مقدس شعور کی پاکیزہ کیفیتیں جب حُسن و جمال کی مکمل تصویر بن کر منصۂ شہود پر اپنا وجود ثبت کرتی ہیں تو احساسِ حقیقت اور معیارِ عدالت کی اصیل لُغت میں شعر کہلاتی ہیں' انسانی معاشروں اور بشری شجروں کی طرح اشعار کی بھی نسلیں ہوتی ہیں' حسب ونسب کی قید صرف آدمیت کے لئے ہی لازم نہیں ہے بلکہ ادب وتہذیب کے قبیلے بھی اس صفت سے محروم نہیں رکھے گئے ہیں' مضبوط و مستحکم' اعلیٰ ومکرم نیز نجیب الطرفین شعر وہی ہوتا ہے۔۔۔

جن کا نسب قرآن اور حسب ایمان ہو' جس کے دل میں محبتِ اہلبیتؑ کی صداقت بن کر دھڑک رہی ہو اور بصیرتِ حقائق خون بن کے رواں دواں ہو' شعر فقط اکتسابی ہنر اور فن کی پیداوار نہیں ہوتا بلکہ شاعری کے عمیق دیدہ وری کی مستقل بنیادوں پر وجدانِ سلیم کی عطائے بے خطا جب فکر کو نصیب ہوتی ہے تو احتیاط کے زاویے اسے تجسیمی عمل کے تحت مکمل شعر ہونے کا مصداق ودیعت کرتے ہیں۔

یوں تو شاعری اظہار اور فکری ظہور کے متعدد پیمانے بے دار علم اور پختہ فن نے وضع کئے ہیں لیکن ممدوح کے تمام تر صفاتِ حسنہ' اخلاقی اقدار' محاسنِ ذات' وجاہت شخصی' قابلِ اتباعِ سیرت' زندگی کے نمایاں پہلو' جس صنفِ سخن کے ذریعہ زندہ ساعتوں تک منتقل ہوتے ہیں' وہ صنف سخن دنیائے عروض اور جہانِ وزن میں مرثیہ کے نام سے متعارف ہے۔

بے داغ شاعر جب قلب کی گہرائیوں اور ذہن کی توانائیوں کے جواہر سلکِ

عقیدت میں تسبیح کے دانوں کی طرح پروتا ہے تو صداقت کے قافلے اس بے رِیا عبادت کو رثاء تسلیم کرتے ہیں، مراثی کے وسیع ترین آنگن میں آج کل ایک بے ہنگم سی آواز گشت کرتی ہوئی سنائی دے رہی ہے اور وہ ہے "جدید مرثیے کی اصطلاح" میرے ناقص مشاہدے میں ہر مرثیہ جدید ہے۔ اپنے زمانے میں وجود پذیر ہونے والا ہر مرثیہ اس لئے بھی جدید ہے کہ وہ عصری تقاضوں سے پورا پورا میل کھاتا ہے۔ ناطقانہ فصاحت و بلاغت ایک حقیقت ہے جو نہ کبھی قدیم کی قید کو مانتی ہے نہ جدید کی، مرثیہ بہر حال مرثیہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بیمار تبصرے اور مریض تنقیدیں اس تفریق کو رائج کرنا اپنے لئے شفائے صدر تصور کرتے ہوں حالانکہ ادبی سچائی ہمیشہ ہی اس طرزِ ضعیف و نحیف سے گریزاں رہی ہے۔

"میں نہ مبصر ہوں نہ تنقید نگار...... محض ادبی ملت کا ایک معمولی سا فرد ہوں اور بس"

لیکن پیش نگاہ اس مرثیہ کے حوالے سے یہ بات بے خطر کہہ سکتا ہوں کہ......

حسینی ادب کے معتبر سخنور جناب کوثر زیدی کیرانوی نے جس سلیقے اور وسیلے سے یہ مرثیہ نظم کیا ہے وہ تقلیدی نہیں ہے بلکہ تائیدی ہے۔

توفیق پروردگار اور رسولؐ و آلِ رسول کی کرم فرمائی کس طرح شاملِ حال ہوتی ہے وہ اس مرثیہ میں اتنی ہی نمایاں ہے آسمان پر جتنا سورج نور افگن ہے۔ مرثیہ کا ہر پہلو لسانِ صدق کا پرتو محسوس ہوتا ہے، وہ یوں کہ لفظوں کو برتنا جملوں کو سجانا مصرعوں کو اپنے صحیح مقام پر رکھنا کوثر صاحب کا عادلانہ حق معلوم ہوتا ہے۔ ہر بند کے ابتدائی چار مصرعوں کا شباب اور پھر ایک بیت کا اُٹھان طوفانِ بلاخیز اور اور کوثر انگیز ایسا ہے کہ ہر بے بغض طبیعت کے وجود پر تسنیم و سلسبیل اُنڈ ھیلے دے رہا ہے اور یہاں پر یہ خوبصورت اندازِ فکر......۷۲ بندوں کا تعین

شاعر کی کربلائی ذہنیت کا بھرپور عکاس اور طبعی سلاست کا غماز تو ہے ہی مزید طہارتِ فکر و قداستِ ذکر کا ثبوت بھی ہے۔

مرثیہ کے تمام پہلوؤں پر کچھ لکھنا میرے حیط امکان سے ماورا ہے، میں اپنی اوقات خوب جانتا ہوں، بلاوجہ پھیلنا مناسب نہیں سمجھتا، حد سے تجاوز انسانی وجاہتوں سے خیانت سمجھتا ہوں۔ پورے مرثیے کا جائزہ تو اس وقت ممکن ہوتا جب میں ۷۲ بندوں میں کی صرف دو بیتوں سے اپنے آپ کو باہر نکال پاتا۔ سچ جانئے کہ مجھے اپنے مقام پر یہ لگ رہا ہے کہ زندگی کے قاب وقوسین تک پہنچ جانا آسان ہے۔

لیکن ان دو بیتوں کا چار مصرعوں کے عروج اور ارتقاء تک رسائی قطعاً محال ہے، کیسی برجستگی اور استادانہ چابکدستی سے جناب مخدومہ عالم وسیدۂ کونین کی کنیز (باندی) جناب فِضہ کے حوالے سے چوالیسویں بند کی یہ بیت کہی ہے، ذرا دیکھئے تو سہی کہ مصرعہ ثانی مثبت فضیلتوں کا بہشتی میدان لگتا ہے کہ نہیں......

کچھ حوالے ہیں جو مخصوص ہوئے باندی کے
ہر عزاخانہ میں ہوتے ہیں علم چاندی کے

سوچتے رہئے قیامت تک لکھتے جایئے حشر تک مگر معنوی سرحد تک پہنچنا نصیب سے کوسوں دور ہی رہے گا، کنیز کی جگہ باندی، فِضہ کی جگہ چاندی کا بے اختیار استعمال برجستہ اصولِ نعم البدل کا مستند مُرقع ہے۔

نیز اپنے مرثیے کے امام الشاکرین سرکار زین العابدین علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کے محتاط خلاصے کو مرثیہ کے سینتالیسویں بند کی بیت میں کس قدر ماہرانہ دیانت کے ساتھ پیکر اعانت بن کر پیش کیا ہے۔

کیا ہے عصمت کا تقاضا اسے معلوم بھی ہے
صرف معصوم صفت ہی نہیں معصوم بھی ہے

مذہبِ عشق و دینِ الفت کی شریعت ایسی مشیت شناس ہستی کو معصوم تجویز نہ کرے گی تو اور کیا کرے گی۔ مجھے حدِ ادب، تبصرے کی قطعاً اجازت نہیں دے رہی ہے اور...... من از مادرِ حسینؑ می ترسم...... کی صدا ابنِ زہراؑ حضرت عباسؑ کے آستانے پر سجدہ ریزی کا حکم دے رہی ہے، لہٰذا میں اپنے وجود سمیت سجدے میں ہوں......

سُبحان ربّی الاعلیٰ و بحمدہٖ

رِثاء کی دہلیز کی سمت کوثرؔ صاحب کا پہلا ہی قدم اتنا متین و حسین ہوگا خیال بھی نہ تھا۔

اللہ کرے شعر نگاری میں اضافے

والسلام
غضنفر عباس طوسی

مولانا سید رئیس احمد جارچوی

کوثرؔ زیدی کیرانوی کا پہلا مرثیہ

اردو ادب کی بنا اس کلیہ کو تسلیم کرتی ہے کہ مرثیہ رثاء سے مشتق ہے' رثاء رونا اور خصوصاً میت پر رونا رثا کہلاتا ہے اور اس کے جملہ شکلیں رثا میں شامل ہیں۔ مرثیہ کی ابتدا کب ہوئی اور پہلا مرثیہ کب کہاں اور کس زبان میں کہا گیا یہ ایک نہایت تفصیل طلب پہلو ہے البتہ یہ طے ہے کہ اردو زبان میں مرثیہ عربی سے منتقل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ابتداً اردو میں بھی مرثیہ اسی انداز میں کہا گیا جس طرز پر عربی مراثی پائے جاتے ہیں جن میں مرحوم کے اوصاف حمیدہ اور مرنے کی کیفیت کا بیان ہوتا ہے۔

تحقیق کے فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ مرثیہ کا قدیم زمانے میں کوئی اپنا ذاتی فارم نہیں تھا' مثنوی ترجیع' مثلث' ربع' مخمس اور مسدس کی شکل میں کہا جاتا تھا' لیکن جب مرثیہ نے اپنا ذاتی وقار بلند کیا اور شعراء اس سمت میں زیادہ متوجہ ہوئے تو آٹھ مصرعوں پر مشتمل ایک بند قرار پایا لیکن میر خلیقؔ کے عہد میں مرثیہ پر کافی کام ہوا اور اس کو ایک نئی شکل دی گئی تو ایک بند چھ مصرعوں پر مشتمل کر کے مسدس کی شکل دیدی گئی اور کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی مرثیہ ہنوز اسی شکل میں موجود ہے۔ مثنوی سے ہٹ کر جب مرثیہ کے خدوخال باقاعدہ واضح کئے گئے تو اس کے قواعد بھی مرتب کئے گئے جنہیں بعد میں اجزا تسلیم کیا گیا' مرثیہ کے اجزا جو قدماء نے مرتب کئے وہ حسب ذیل ہیں۔

چہرہ مطلع سمیت' سراپا' رخصت' آمد' رجز' جنگ' شہادت اور بین۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ جیسے بلند پایہ شعراء کے بعد متاخرین نے مرثیہ میں ساقی نامہ بھی شامل کیا اور خاص

طور پر جنگی واقعات کی عکاس شاعری میں ساقی نامہ سے خوب خوب کام لیا گیا' ساقی نامہ کیوں شامل کیا گیا مرثیہ سے اس کا ربط کتنا ہے یہ سارے نکات پردۂ خفا میں ہیں۔

مرثیہ کے جتنے بھی اجزا ہیں ان میں دو جز نہایت اہم اور حساس ہیں اور وہ ہیں شہادت اور بین جبکہ بین ہی مرثیہ کا جزوِ اعظم ہونا چاہئے کیونکہ کہ اسی کا تعلق 'رثاء' سے ہے' تاہم اول الذکر یعنی شہادت کا تذکرہ بھی مرثیہ کے اہم حصہ ہے' بقیہ اجزا تسلیم شدہ تو ہیں مگر اپنی معنویت شہادت کے ساتھ ہی رکھتے ہیں اگر کسی مرثیہ میں اول الذکر یعنی شہادت اور بین سے پہلے کے تمام اجزا موجود ہوں لیکن شہادت اور بین نہ ہوں تو ادباء اسے مرثیہ تسلیم نہیں کرتے اور وہ مرثیہ کی حد میں نہیں آتا' مرثیہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب اس میں رثائی کا پہلو ہو' کیونکہ رثاء سے ہی مرثیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نظم میں چہرہ' سراپا' رخصت' رجز اور جنگ نہ ہو مگر واقعہ شہادت کو مسدس کی فورم میں بین اور اس کے رقت انگیز پہلو نظم کئے گئے ہوں تو اسے مرثیہ ضرور کہا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اول الذکر اجزائے مرثیہ تو ہیں مگر اصل مرثیہ نہیں ہیں مرثیہ کے لئے ضمنی موضوعات کہے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جنگ کے میدان میں جانے والے اور شہید ہونے والے کے لئے تو ان اجزا کو مرثیہ کا جزو بنایا جاسکتا ہے لیکن کسی حادثہ کے شکار انسان کے مرثیہ کے لئے ان کے اجزا کو کس طرح رقم کیا جائے گا جبکہ موت اور سبب موت کے تعلق سے رثائی پہلو نظم کئے جاسکتے ہیں۔

چنانچہ خواجہ الطاف حسین حالی کے ''مرثیۂ غالب'' کو دیکھنے کے بعد اس تمثیل کو سمجھنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔

مرثیہ یقیناً ایک مشکل صنف شاعری ہے' بہت کم شعراء اس وادی میں قدم رکھتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر عظیم امرہوی تحریر فرماتے ہیں ''عام طور پر شاعر برسہا برس کی مشق سخن کے بعد

مرثیہ کی راہ کی جانب نظر اٹھا کر دیکھتا ہے اور تب ہمت کرتا ہے اس وادی میں قدم رکھنے کی۔ مرزا غالب جیسے شاعر نے اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا" (دین است حسین ص ۱۶)

اردو ادب میں شخصی مرثیہ بھی ہیں مگر ہزار کوشش کے بعد بھی یہ شخصی مرثیہ مقبول عوام نہیں ہو سکے بس ادب کا حصہ ہی رہے لیکن جب مرثیہ کربلا سے مربوط ہوا تو زندۂ جاوید صنف سخن کے طور پر ابھرا' واقعہ کربلا' مرثیہ کی تاریخ' تشریح اور مفاہیم پر اتنا اثر انداز ہوا کہ آج مرثیہ کی صنف صرف حسینی ادب کی وجہ سے زندہ ہے اور مرثیہ کربلا کی علامت ہے۔ چونکہ واقعہ کربلا عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اس لئے مرثیہ بھی واقعہ کربلا کی علامتوں کے ساتھ عالمگیر ہو گیا۔ آج شخصی مرثیہ تعزیتی نظم میں بدل گیا ہے مگر اصل مرثیہ امام حسینؑ کی عظیم شہادت کے سہارے خزاں کے دور میں بھی کسی نہ کسی طرح پنپ ضرور رہا ہے اور ہر روز کسی نئی صبح امید کے ساتھ ہی' میر انیسؔ مرزا دبیرؔ' شمیمؔ امروہوی' مونسؔ' انسؔ' جلیسؔ' اوجؔ' دلورام کوثریؔ' حیدر جارچویؔ' روپ کمار' بھجن لال دلگیرؔ' جوشؔ' آل رضا' باقر امانت خانی' نسیم امروہوی' وحید الحسنؔ ہاشمی اور جمیلؔ مظہری جیسے بزرگ شعراء کے بعد ایسے شعراء نے جنم لیا جنہوں نے اردو مرثیہ میں چار چاند لگا دیئے' جن میں ظہورؔ جارچوی' قیصر بارہوی' صابر اکبر آبادی' قسیم امروہوی' پیامؔ اعظمی' نظیر باقری' عظیم امروہوی' کیفی سنبھلی' اور اس قبیل کے اور بھی شعراء ہیں جنہوں نے گرتی ہوئی دیوار کو مکمل سہارا دیا اور کربلا کے عظیم غم کی بدولت مرثیہ گو شعراء میں ہر سال دو سال میں ایک نئے نام کی شمولیت ہو جاتی ہے۔

برادرِ محترم کوثرؔ زیدی کیرانوی ایک ایسا ہی نام ہے جو نئے تیوروں کے ساتھ پرانے قافلے میں شامل ہو گیا اور نئے انقلاب کی آہٹ سنائی دینے لگی' موصوف بہت اچھے شاعر ہیں منقبتیں سننے کا اتفاق اکثر ہوا جس سے ان کی گرفت کا اندازہ تو تھا مگر آسمانِ مرثیت

یہ اتنی اونچی اڑان کا گمان نہیں تھا' سچ یہ ہے کہ خدا کیا دے گا اور کب دے گا بس وہی جانتا ہے۔

جناب کوثر زیدی کیرانوی کا یہ پہلا مرثیہ ہے اور کربلا کے پیاسوں سے وابستگی کی علامت کے طور پر اپنے مرثیہ کو بہتر (۷۲) بند پر مشتمل کیا ہے۔ باوجودیکہ مرثیہ کی دنیا میں ابھی قدم رکھا ہے مگر بہت اچھے انداز اور بلندی سے مصرعے کہے ہیں۔ یہ بند ملاحظہ فرمائیں۔

جو مفاہیم نئے ہوں سبھی شرکت کرلیں
میرے ہمراہ ادا اجر رسالت کرلیں
بندشیں آن کے مصرعوں کی اطاعت کرلیں
باوضو جتنے ہیں الفاظ جماعت کرلیں

صف بہ صف ہوں تو یہ انداز نیا ہو جائے
یوں نمازِ غمِ شبیرؑ ادا ہو جائے

حقیقت محمدیؐ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سارے نبیوں کی دعاؤں کا وسیلہ تو ہے
جس کے صدقے میں یہ پیدا ہوئی دنیا تو ہے

ایک زمانہ تک ساقی نامہ بھی مرثیہ کا حصہ رہا ہے اس لئے ساقی نامہ بھی نظم فرماتے ہیں مگر اس میں ایک انوکھا پن بھی رکھا ہے' شراب مودّت اور اس کے جام اور جام پر کیا لکھا ہو' بیت ملاحظہ ہو۔

پہلے من کُنتُ سے یٰسین لکھا ہے اس پر

''اور اکملتُ لکُم دین'' لکھا ہے اس پر

اس کے بعد شعراء کے اسمِ گرامی کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ میخانہ ولا کے متوالوں کے طور پر نظم کیا ہے۔ جو ایک بہت اچھی کوشش ہے۔ فرماتے ہیں۔

شوق سے پیتے تھے جس کو وہ خلیقؔ ہوں کے نفیسؔ

ہاں وہی مے جسے پیتے تھے دبیرؔ اور انیسؔ

یہ بھی مملکت شعر و سخن کے تھے رئیس

میکدہ ایک تھا مے ایک تھی اور تھے بھی جلیسؔ

ہیں رقم نام یہ میخانہ مدحت میں سبھی

مست تھے آلِ محمدؐ کی محبت میں سبھی

کوثرؔ صاحب کی مرثیہ نگاری میں ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ آپ نے فضائل کے ساتھ ساتھ مصائب بھی بھرپور انداز میں نظم کئے ہیں تاکہ مرثیہ مرثیہ ہو جائے' مرثیہ میں مصائب کا نظم کرنا بے حد مشکل ہے اور مرثیہ ختم بھی مصائب پر ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؑ علمبردار کی شہادت نظم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

جب قلم ہو گئے بازوئے علمدارِ حسینؑ

سر کے بل گر پڑا گھوڑے ہی سے غمخوارِ حسینؑ

اور تڑپنے لگا ریتی پہ وفادارِ حسینؑ

ہائے لٹ جائے گا کچھ دیر میں گلزارِ حسینؑ

دی صدا لاشِ غضنفر کو اٹھالو آقا

آخری وقت ہے اب آ کے سنبھالو آقا

سن کے آواز چلے خیمے سے جب شاہِ اُمم

خون روتی تھی زمیں کرب و بلا کی اس دم

سوئے دریا جو نظر کی نہ نظر آیا علم

گر پڑے اٹھ کے چلے اور کہا ہائے ستم

بے کسی میں جو تھی اک آس وہی چھوٹ گئی

ہائے عباسؑ کہا اور کمر ٹوٹ گئی

کوثر صاحب کا یہ پہلا مرثیہ ہے خدائے حسینؑ قبول فرمائے اور آئندہ مرثیہ گوئی میں اضافہ فرمائے۔ ناقدین اسے اپنی اپنی نظر سے دیکھیں گے مگر ہماری دعاء ہے کہ کوثر صاحب مرثیہ خود غازی کے حرم میں پڑھیں۔

رئیس جارچوی

سید سرور حسین زیدی
ٹیلہ سادات، قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر

مرثیہ در حال حضرت عباس علمدار علیہ السلام

اس یقیں پر ہیں یہ قرطاس وقلم یا اللہ
غیب سے ہوگی مدد آج بھی انشاء اللہ

برادرِ معظم عالیجناب سید محمد حسین صاحب کوثرؔ زیدی کیرانوی کی شخصیت شعر و ادب کی دنیا میں تعارف کی محتاج نہیں ہے اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شاعری الفاظ کی وہ مرصع کاری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں ہوتا۔ الفاظ کے پیکر میں مضامین کی روح ڈال کر جذبات کی تڑپ پیدا کرنا ہر کس و ناکس کے امکان سے باہر ہے۔ شاعری جب مذہبی حدود میں قدم رکھ کر حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، نوحہ اور مرثیہ کی شکل اختیار کرتی ہے تو تاریخ وعقائد کے لگاؤ کی وجہ سے یہ اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ مدح اہلبیتؑ کی بلند منزلوں سے شاعر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک ممدوح کا کرم شاملِ حال نہ ہو۔

برادرِ معظم کوثرؔ صاحب عہدِ حاضر کے ان مداحانِ اہلبیتؑ شعراء میں ہیں جن کا نام چوٹی کے شعراء کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ آپ کے تین شعری مجموعے کوثر کوثرؔ، فرات وکوثر اور شمیمِ کوثر اب چوتھا مرثیہ در حال حضرت عباس علمدار علیہ السلام بارگاہِ سیدہ میں حاضر ہے!

کوثرؔ صاحب نے کس عقیدت کے ساتھ مرثیہ لکھا۔ مطلع کا بند دیکھئے اس میں قلم کے پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے قلم کی ضرورت پر زور دیا ہے کس عقیدت کے ساتھ لکھا آپ کا یہ پہلا مرثیہ

پھر معطر ہوا گلہائے عقیدت سے قلم
پھر جھکا جاتا ہے تعظیم مودت سے قلم
پھر مخاطب ہوا قرطاسِ صداقت سے قلم
پھر ملا مرثیہ گوئی کی روایت سے قلم

یوں تو ہوں آلِ محمدؐ کا سخنور میں بھی
مرثیہ پہلے پہل لکھتا ہوں کوثر میں بھی

کوثر صاحب کا یہ پہلا مرثیہ ہے مطلع کا ایک ایک مصرع قابلِ تعریف ہے۔ اگر دنیا باقی ہے تو سنجیدہ ذوق بھی باقی ہے لیکن یہ سنجیدگی اب صرف اور صرف مجالسِ امام حسینؑ کی مرہونِ منت رہ گئی ہے اپنی تمام قدیمی روایتی جاذبیت کے ساتھ صرف سنجیدہ مجمع پر اپنا جادو قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے اور وہ صنف ہے 'مرثیہ' سنجیدہ سامع یہ سوچ کر مجلس کی طرف گامزن ہوتا ہے کہ ایک مکمل جامع اور تمام خوبیوں سے مرصع کلام سننے کو ملے گا' لہٰذا وہ ذہنی طور پر پچاس ساٹھ منٹ ایک ہی موضوع پر اشعار سننے کو تیار اور متمنی ہوتا ہے' یہ سلسلہ میر خلیق، میر انیس اور مرزا دبیر سے آج تک چند مختصر سی تبدیلیوں کے ساتھ جاری و ساری ہے ۔کوثر صاحب نے مرثیہ میں دعاء' نعت' ساقی نامہ' پیاس' اسلام امام حسین علیہ السلام مکمل مرثیہ حضرت عباس علیہ السلام۔

کوثر صاحب نے انسانی نفسیات پر اثر انداز ہونے والے سارے عناصر کو مرثیے میں داخل کیا ہے۔

میرے اللہ مجھے تو نے نوازا اتنا
میں تو ہر سانس میں کرتا ہوں تیرا شکر ادا

میں کہاں اور کہاں آلِ محمدؐ کی ثنا
تو تو رزاق ہے کر رزقِ تکلم بھی عطا
تو جو چاہے تو ہر ایک کام میرا ہو جائے
مرثیہ گوئی میں بھی نام میرا ہو جائے

دعائیہ انداز کے اس بند میں التجایہ انداز کوثر صاحب کا خاص حصہ ہے طلب میں وہ سچائی اور تڑپ ہے جو قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

میرے معبود بنا ایسا سخنور مجھ کو
اپنا مداح کہیں ساقیٔ کوثر مجھ کو
صدقۂ پنجتن پاک عطا کر مجھ کو
یوں بھی درکار نہیں لعل و جواہر مجھ کو
یا محمدؐ کہوں کردارِ ابوذر مل جائے
اس کو کیا چاہئے جس کو تیرا در مل جائے

تاریخ کے مشہور و معروف شعراء جن کا نام لیا جا سکتا ہے ان میں ایک جناب فرزدقؔ ہیں جنھوں نے تخت و تاج اور دولت و سلطنت کو اپنے ایک قصیدہ کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر دیا' بصیرت کے اندھے جب امام زین العابدین علیہ السلام کو پہچاننے سے انکار کر رہے تھے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اے دعبلؔ تمہاری زبان سے یہ شعر روح القدس کی تائید سے جاری ہوا ہے۔ کوثرؔ صاحب نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ائمہ طاہرین علیہ السلام کے زمانے کے شعراء سے لیکر میر خلیقؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ سے آج تک کے شعراء کے نام کیرانے میں سبھی پڑھنے والوں کے نام مرثیے میں درج کئے

ہیں۔

کوثرؔ صاحب کا تاریخ پر وسیع مطالعہ ہے اپنے مرثیہ میں تاریخ کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ جس کلام کا لفظ لفظ بہ حکم امام لکھا گیا ہو اسی سے صاحبِ کلام کے اپنے ممدوح سے قریب تر ہونے کا پتہ چلتا ہے اور جب کوئی یہ کمالِ عقیدت محمدؐ و آلِ محمدؐ کی قربت حاصل کر کے لیتا ہے تو پھر وہ ادب تو کیا وقت پر محیط ہو جاتا ہے۔ کوثرؔ صاحب نے ۲۷واں، ۲۸واں بند اسلام پر لکھے۔ اسلام اطاعتِ اصول کا نام ہے اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ معرفت ہو اسلام کا مزاج علم ہے اسلام کی روح علم، ایمان پر باقی رہنے کے لئے میثم کی جرأت چاہئے۔

بہر کیف میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہیں دی اور مشکیزہ سپرد کیا بھوک اور پیاس کی حالت میں جنگ کی بھیا تلوار یہاں چھوڑ دو ٹوٹا سا نیزہ دیا۔

آ کے عباسؑ سے زینبؑ نے یہ رو رو کے کہا
بھائی فرماتے تھے ایک روز یہ مجھ سے بابا
سر سے چھن جائے ایک دن ترے زینبؑ یہ ردا
میں نے سوچا تھا یقیں تو ہے مگر اے بھیا
جس کا عباسؑ سا بھائی وہ بہن ہے زینبؑ
جاؤ کچھ دیر میں پابندِ رسن ہے زینبؑ

اس بند میں جناب زینبؑ حضرت سے فرماتی ہیں بھیا بابا فرمایا کرتے تھے تیرے سر سے چادر چھن جائی گی بھیا مجھے یقین تو تھا لیکن یہ خیال تھا جس کا عباسؑ سا بھائی ہو کس کی

مجال ہے جو میرے سر کی طرف دیکھے۔علیؑ کی بیٹی نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا بیبیوں زینبؑ کو معاف کر دینا میں اپنا وعدہ واپس لیتی ہوں میں نے مدینے سے چلتے ہوئے کہا تھا تمہارے پردوں کی ضامن میں ہوں۔ بھیا خدا حافظ اب مجھے یقین ہو گیا میں پابندِ رسن۔عباسؑ رخصت ہوئے اگر مولا نے اذنِ جنگ دیا ہوتا تو۔۔۔۔

جس گھڑی مشک و علم لے کے علمدار چلا
صورتِ شیرِ ببر جانبِ کفار چلا
غل ہوا فوجوں میں لو حیدرِ کرار چلا
لشکر شمر کو کرتا ہوا فی النار چلا

جنگ کرنے کا جو اذن شہِ ابرار نہیں
ایک نیزہ ہے فقط ہاتھ میں تلوار نہیں

یہ بیت دیکھئے ۔۔۔

تم کو معلوم ہے ،ہم کون ہیں کیا کیا ہیں ،ہم
ساری مخلوق میں بس افضل و اعلیٰ ہیں ،ہم

یہ بیت دیکھئے ۔۔۔

یہ وفاداری و غیرت فقط عباسؑ کی تھی
فکر اپنی نہیں بچوں کی اسے پیاس کی تھی

حضرت امام حسینؑ سے جناب علی اکبرؑ معلوم کر رہے ہیں بابا علم ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے چچا دریا پر پہنچ گئے عباسؑ دریا میں اتر رہے ہیں پانی لینے کیلئے ۔علم بلند ہو رہا ہے ایسا لگتا ہے چچا دریا سے باہر نکل رہے ہیں۔

شمر فوج کو حکم دے رہا تھا عباسؑ پانی لیکر خیمہ تک نہ پہنچنا چاہئے' بابا علم تیزی سے خیام کی طرف بڑھ رہا ہے چچا کو پانی لانے کی جلدی ہے' بابا علم دائیں سے بائیں جھک گیا ہے' بابا علم نے پھر بائیں سے دائیں کو گردش کی ہے' بابا علم ہچکولے کھا رہا ہے علم جھکا جا رہا ہے' بابا غضب ہو گیا بابا ایسا لگتا ہے علم گر گیا ادھر علم گرا ادھر حسینؑ کے سر سے عمامہ گرا۔۔۔

جب قلم ہو گئے بازوئے علمدار حسینؑ
سر کے بل گر پڑا گھوڑے ہی سے غمخوار حسینؑ
اور تڑپنے لگا ریتی پہ وفادارِ حسینؑ
ہائے لٹ جائے گا کچھ دیر میں گلزارِ حسینؑ

دی صدا لاشِ غضنفر کو اٹھا لو آقا
آخری وقت ہے اب آکے سنبھالو آقا

حسین دوڑے دریا کی طرف ایک مرتبہ حسینؑ الجھ کر زمین پر گرے اور فرمایا

اپنے آقا سے ہوئی تیری جدائی کہدے
میرے بھائی مجھے ایک بار تو بھائی کہدے

بیت دیکھئے ۔۔

ہائے قسمت نے کہاں لا کے مجھے چھوڑ دیا
کہہ کہ عباسؑ نے بھائی وہیں دم توڑ دیا

گدائے درِ آلِ محمد
سید سرور حسین زیدی

ڈاکٹر عظیم امروہوی

کوثرِ فکر کا شاعر

اردو شاعری کا آغاز دکن کے بادشاہ کے ذریعہ بادشاہِ دین ودنیا کے ذکر سے ہوا۔ قلی قطب شاہ اردو زبان کا پہلا شاعر اور اردو مرثیہ کا بھی پہلا شاعر ہوا۔ اس طرح اردو شاعری کی ابتداء کربلا کے شہداء کے تذکرے سے ہوئی ہے یعنی اردو زبان کی قدیم ترین صنفِ سخن مرثیہ ہے۔

مرثیہ کا طویل سفر جب ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ تک پہنچا تو انھوں نے اسے معراج کی منزل تک پہنچا دیا۔ لیکن ان کے بعد کم از کم پچاس ساٹھ سال تک ان اساتذہ کی بنائی ہوئی نہج پر چل کر اور اسی رنگ میں مرثیہ نگار شعراء طبع آزمائی کرتے رہے، مرثیے میں کوئی تغیر کوئی تبدیلی یا کوئی انقلاب نہیں آیا۔

البتہ انیسوی صدی کے آخر میں شادؔ عظیم آبادی نے فلسفیانہ مضامین کا اضافہ کیا۔ فرزدق ہند شمیمؔ امروہوی اور مرزا اوجؔ (پسر مرزا دبیرؔ) نے کچھ اصلاحی مضامین کا مرثیہ میں اضافہ کیا۔ اس طرح جدید مرثیے کے ابتدائی نقوش اور ایک ہلکا سا عکس ان تینوں شعراء کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن کوئی بڑی نمایاں تبدیلی نہیں ملتی۔

ان تینوں شعراء کے ذریعے مرثیے کے جس نئے دروازے پر دستک دی گئی تھی، بیسوی صدی کے ربع اوّل میں جوشؔ ملیح آبادی اور نسیمؔ امرہوی نے اس دروازے کو وا کر دیا اور مرثیے میں ایک نئی فضا، نیا ماحول، نیا لہجہ، نئی زبان، نیا رنگ، نیا آہنگ اور نئے مضامین شامل ہونے لگے۔

کسی بھی خطۂ ارض کی تقسیم کے ساتھ ہر چیز تقسیم ہو جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ جو چیز سرحدوں کی پابند نہیں ہوتی وہ بھی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یعنی فن، ثقافت، ادب اور زبان وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا ملک جب تقسیم ہوا تو اس کا اثر ہر شعبۂ حیات پر پڑا۔ ظاہر ہے کہ پھر ادب کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ ادب بھی تقسیم ملک کے ساتھ تقسیم ہو گیا۔ نسیم امروہوی اور جوش ملیح آبادی دونوں ایوانِ مرثیہ کے پہلے ستون ملک سے ہجرت کر گئے۔ بیسوی صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائیوں میں جدید مرثیے کے ایوان میں سید آلِ رضا، نجم آفندی اور جمیل مظہری نے قدم رکھا تھا۔ لیکن اتفاق سے ان تینوں شعراء میں بھی دو یعنی آل رضا اور نجم آفندی پاکستان ہجرت کر گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جدید مرثیے کے عناصر خمسہ میں، یعنی جوش، نسیم، رضا، نجم اور جمیل میں سے اتنے بڑے ہندوستان کے لئے صرف جمیل تنہا بچے۔ چار شاعر چھوٹے سے پڑوسی ملک کے حصے میں آئے۔

اردو مرثیے کے جدید شعراء کی یہ تقسیم ہندوستان کے حق میں نہ ہونے کے سبب، ہندوستان میں مرثیہ اپنے حال پر گریہ کرتا رہا اور دوسری جانب پاکستان کو پورا پورا فائدہ پہنچا اس لئے دن بہ دن وہاں جدید مرثیے کا تخلیقی سفر تیز ہوتا رہا اور صرف نسیم امروہوی کے چالیس سال کے دور میں ان کے شاگرد تقریباً چالیس مرثیہ نگار سامنے آئے، اور زیادہ تر پاکستان شعراء کے ہی ذریعے جدید مرثیہ پاکستان سے یوروپ، امریکہ اور کنیڈا تک پہنچ کر عالمی سطح پر آ چکا ہے۔

ادھر تقسیم کے بعد ہندوستان میں جمیل مظہری کے بعد جو شعراء سامنے آئے ان میں دکن میں باقر رضوی، امانت خانی اور شمال میں مہدی نظمی اور ان کے بعد پیام اعظمی وغیرہ۔ ان کے علاوہ خبیر لکھنوی، مہذب لکھنوی، اور شدید لکھنوی وغیرہ یہ وہ سب شاعر تھے

کہ جو مرثیہ کو کہہ رہے تھے لیکن وہی روایتی انداز و مضامین اور وہی قدیم رنگِ سخن ان کے مراثی میں رہا۔ اس لئے مرثیہ کو ایک نئی شکل میں زندگی نہیں مل رہی تھی۔

بیسوی صدی کی آٹھوی دہائی میں اس سلسلے میں راقم (عظیم امروہوی) نے بھی کوشش کی اور حتی المقدور تخلیقی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ مرثیے کے لئے وقف بھی کر دیا۔ اس کے چند سالوں بعد ڈاکٹر ناشر نقوی، نظیر باقری، ناصر لکھنوی، عشرت لکھنوی، طیب کاظمی، ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، کیفی سنبھلی، ہوش نعمانی اور انجم زیدی وغیرہ وغیرہ کے مراثی منظرِ عام پر آنے شروع ہوئے۔

یہ بات باعثِ خوشی ہے کہ ایوانِ غم یعنی ایوانِ مرثیہ میں شاعرِ ساقیٔ کوثر جناب کوثر زیدی کیرانوی نے گذشتہ دنوں قدم رکھا ہے۔ ان کی آمد سے یہ امید ہے کہ جدید مرثیے کے اس سلسلے کو ہندوستان میں مزید تقویت حاصل ہوگی۔

کوثر زیدی کے یہاں وہ تمام صلاحیتیں عرصے سے بیدار ہونے کیلئے کروٹیں لے رہی تھیں جو ایک جدید مرثیہ نگار کے لئے ضروری ہیں۔ ان کی ان تخلیقی صلاحیتوں کی جھلک ان کے منقبتی اور رثائی کلام میں نظر آ رہی تھی۔ اس لئے ان کے قدردانوں اور کوثر شناسوں نے انہیں مرثیہ کہنے کا مشورہ دیا۔ ان مشورہ دینے والوں کو بھی ان کی نظر کی داد دینی پڑے گی، اور پھر کوثر زیدی مرثیہ کہہ کر نہ صرف ان کی امیدوں پر پورے اُترے بلکہ ان کے اندازوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو ثابت کر دیا۔

کوثر کا پہلا مرثیہ درحال حضرت عباسؑ ہے۔ انہیں مرثیہ کہنے سے قبل ہی جس غیبی امداد کا یقین تھا، مرثیے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ غیبی امداد یقیناً انہیں حاصل ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ ایک کامیاب مرثیہ کہہ سکے، انہوں نے کہا تھا کہ

• اس یقیں پر ہیں یہ قرطاس وقلم یا اللہ
غیب سے ہوگی مدد آج بھی انشاء اللہ

رثائی ادب میں مرثیے کی اہمیت' افادیت اور عظمت دیگر رثائی اصناف سے زیادہ ہے۔ دوسری نعتیہ اور مدحیہ شاعری کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ مرثیہ ہے اور مرثیہ بظاہر محدود ہوتے ہوئے موضوعاتی اعتبار سے ایک وسیع ترین صنف سخن ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اس فن کے لئے زیادہ قادر الکلام اور فن میں مہارت کی ضرورت ہے' اسی لئے یہ مشکل ترین صنفِ شاعری ہے اور اچھے اچھے شاعروں کا اس ایوان میں قدم رکھنا تو درکنار اس کوچے سے ہی بچ کر نکل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرثیے کے لئے ایک خاص مزاج کی بھی ضرورت ہے اگر وہ نہیں ہے تو پھر مرزا غالبؔ جیسا قادر الکلام بھی اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیتا ہے۔

مرثیے کے مخصوص فکر اور اس کے فن کے سلسلے میں جب کوثرؔ زیدی کے یہاں پورا اعتماد پیدا ہو گیا تب انہوں نے یہ راہ اختیار کی' اسی لئے وہ اس راہ کے ہر موڑ پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ ان کے اس اعتماد اور یقین کامل نے ہی ان سے یہ شعر کہلوایا کہ

خیمۂ فکر تلک آ گئی مدحت کی فرات
اب تو مشکیزۂ فن آپ ہی بھر جائے گا

ہر صنفِ سخن کی لفظیات الگ ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا شعر بظاہر تو شاعری کے فکر و فن سے متعلق اور شاعری کے ارتقاء کے بارے میں ہے' لیکن لفظ خیمہ' مدحت' فرات اور مشکیزہ یہ چار الفاظ کوثرؔ نے اس طرح یکجا کر دیئے ہیں کہ قاری کا ذہن پوری بات اور شاعر کا آگے ارادہ کیا ہے یہ سمجھ لیتا ہے اور محسوس کر لیتا ہے کہ شاعر کی فکر کا قبلہ اس وقت مرثیہ ہے۔ شاعر سوئے مرثیہ نیت باندھ چکا ہے' لفظ فکر سے ہی شاعر کی نظر میں جو مرثیے کی عظمت ہے

وہ بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور لفظ فرات ظاہر کر رہا ہے کہ شاعر نمازِ وفا ادا کرے گا کیونکہ تاریخ میں فرات کے ساحل پر ہی نمازِ وفا ادا ہوئی ہے۔ اور لفظ مشکیزہ بظاہر فن کا پیمانہ ہے جسے وہ آبِ وفا بلکہ آبِ حیاتِ وفا سے بھرنا چاہتا ہے لیکن یہ مشکیزہ شاعر کی نظر میں قرآنِ وفا بھی ہے۔ کیونکہ انہیں اس مرثیہ میں داستانِ وفا بھی بیان کرنی ہے اور جب یہ قرآنِ وفا ہے تو اسے ہر حال میں سنبھالنا ہے اور گرنے سے بچانا ہے۔ بہرحال کوثؔر اس مشکیزہ کو مدحت کی فرات سے بھرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کوثؔر کا یہ یقین بھی شعر میں پوشیدہ ہے کہ یہ مشکیزہ بھر جائے گا اور مرثیے میں انہوں نے مشکیزے کو مدحت کی فرات سے بھر کر دکھا بھی دیا۔

کوثؔر زیدی نے کربلا کے بہتر (۷۲) شہداء کے لشکر کے علمدار کے حال کا یہ مرثیہ بہتر (۷۲) بندوں میں کیا ہے۔ مرثیہ کے مطلع کی بیت میں کوثؔر یہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ وہ آلِ محمدؐ کے سخنور تو ہیں لیکن مرثیہ پہلی بار کہہ رہے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ

یوں تو ہوں آلِ محمدؐ کا سخنور میں بھی
مرثیہ پہلے پہل لکھتا ہوں کوثؔر میں بھی

آگے کے بندوں میں کوثؔر اپنے پروردگار سے دعاء گو ہیں۔ یہ دعائیں نہ دنیاوی مال و دولت کے لئے ہیں اور نہ لعل جواہر کے لئے ہیں، نہ جاہ ثروت کے لئے ہیں اور نہ مسند و منصب کے لئے ہیں اور نے اقتدار کے لئے۔ چونکہ وہ مرثیہ کہہ رہے ہیں اس لئے رازقِ حقیقی سے رزقِ تکلم عطا کرنے کو کہتے ہیں کہ

تو تو رزاق ہے کر رزقِ تکلم بھی عطا

میر انیسؔ نے نمک خوانِ تکلم کہہ کر جو نئی ترکیب کے ساتھ ایک نئی بات نئے اسلوب میں کہی تھی، اس خوانِ تکلم کے لئے کوثؔر نے رزقِ تکلم کی اپنے رازق سے دعا کر کے نئی

ترکیب کے ساتھ دعاء کو ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ شاعر اپنی شاعری اور فن کے لئے طرح طرح سے دعائیں کرتے ہیں۔ شاعری کے ارتقاء، بقا اور اس کی شہرت کے لئے عام طور پر دعائیں ملتی ہیں، لیکن کوثر کی دعاء میں ایک خاص ندرت ملتی ہے کہ

تو جو چاہے تو ہر ایک کام مرا ہو جائے

مرثیہ گوئی میں بھی نام مرا ہو جائے

اب یہاں دعاء کا مضمون تو عام قسم کا ہے لیکن پہلے مصرعے میں اعتماد ہے اور دوسرے مصرعے میں لفظ 'بھی' شامل کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دیگر اصنافِ سخن میں نام پہلے سے ہے۔ یہاں مصرعے میں اظہارِ تشکر بھی پوشیدہ ہے، ایک جگہ دعاء کرتے ہیں کہ

اذنِ پرواز مری فکر کے طاؤس کو دے

اذنِ پرواز فکر کے طاؤس کے لئے مانگا ہے۔ طائرِ فکر تو اکثر شعراء کہتے رہے ہیں لیکن کوثر نے یہاں ایک جدت پیدا کی ہے۔ طاؤس چاہے بلند پرواز نہیں، لیکن پرندوں میں حسین ترین پرندہ ہوتا ہے۔ اس کے حسن اور خوبصورتی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طاؤس فکر کہا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں آگے چل کر تاریخ کے خوبصورت ترین اور اعلیٰ ترین کرداروں کی مدح کرنی ہے۔ ان کے فکر اس لئے حسین و جمیل ہے کیونکہ انہیں مرثیہ کہنا ہے۔

دعائیہ مضامین کے بعد کوثر مرسل اعظمؐ سے مخاطب ہو کر اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ میں عالم ہوں، نہ مقرر ہوں، نہ خطیب ہوں بلکہ غریبِ فن ہوں ۔ میرے یہاں صرف عقیدت ہی عقیدت ہے۔ اس کے بعد رسول اعظمؐ کو سارے نبیوں کی دعاؤں کا وسیلہ بتاتے ہیں اور پھر مدح رسول کریمؐ شروع کرتے ہیں کہ

تو نے کانٹوں میں بھی مہکائے ہیں اخلاق کے پھول
چاند تاروں میں درخشاں تیری نعلین کی دھول

کانٹوں میں اخلاق کے پھول مہکانا' کہہ کر سیرتِ رسولؐ اور کارنامۂ رسالت کا جامع بیان کر دیا ہے۔ سیرتِ رسولؐ اور عظمتِ رسولؐ کے بیان کے لئے اس سے زیادہ بہتر اور انداز نہیں ہوسکتا تھا۔

مرثیے کے اکثر حصوں سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ شاعر کی یہ کوشش ارادی ہے کہ نئے مفاہیم' نئی تراکیب اور نیا اسلوب اختیار کیا جائے اسی لئے کہا ہے کہ

جو مفاہیم نئے ہوں سبھی شرکت کرلیں

شاعر کا موضوع چونکہ دنیا کا سب سے زیادہ پاک و پاکیزہ' طیب و طاہر اور اقدس و مقدس ہے اس لئے یہ احساس ہے کہ ہر طرح کے الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے اس لئے کہتے ہیں کہ

باوضو جتنے ہیں الفاظ جماعت کرلیں

اس مصرعے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ کوثرؔ بیان کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی خاص توجہ رکھتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے اور باوضو الفاظ کا استعمال کریں۔

اسی بند کی بیت میں وہ الفاظ کی صفیں تیار کرنے کے بعد نماز جماعت ادا کرنے کی بات کہتے ہیں۔ ایسی نماز جماعت جو بالکل منفرد ہے کہتے ہیں کہ

صف بہ صف ہوں تو یہ انداز نیا ہو جائے
یوں نمازِ غمِ شبیرؑ ادا ہو جائے

مرثیہ گوئی کو کوثر نے نمازِ غمِ شبیرؑ کہہ کر اپنے مزاج کی ندرت پسندی اور اختراع پسندی کا ثبوت دیا ہے۔

میر انیس نے بھی اپنے ایک مرثیے میں زبان و بیان کے اصول اور اپنا نظریہ فن پیش کیا ہے۔ کوثر بھی مرثیہ گوئی کے سلسلے میں اصول پسند شاعر ہیں، اس سلسلے کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

یہ ہیں آدابِ مراثی کے فصاحت بھی رہے
التزاماتِ فصاحت میں بلاغت بھی رہے
خامہ قرطاس پہ مصروف عبادت بھی رہے
یعنی جو کچھ بھی لکھے اس میں صداقت بھی رہے

بات سچی ہو تو پھر دل پہ اثر کرتی ہے
خارزاروں میں بھی پیدا گلِ تر کرتی ہے

اس کے بعد چند بند ساقی نامے کے ہیں۔ اردو مرثیے میں ساقی نامے کی ابتداء تو عہدِ انیس و دبیر سے ہوگئی تھی لیکن اسے باقاعدہ اور پوری تفصیل کے ساتھ پیارے صاحب رشید نے بیان کیا ہے۔ ان کے بعد نانک چند نانک اور روپ کمار کی مراثی میں بھی ساقی نامہ پوری آب و تاب سے ملتے ہیں اور ان میں ایک خاص کیف و سرور ہے۔

کوثر زیدی نے اپنے مرثیے کے اس حصے میں حسان و فرزدق اور میثم و دعبل سے لیکر عہدِ حاضر تک کے نامور مرثیہ نگاروں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب چادر آیۂ تطہیر میں چھنی ہوئی مودت کی مے پینے والے تھے، سب کا ذکر کرنے کے بعد کوثر کہتے ہیں کہ

دیکھ کر ظرف مرا بس ابھی دے دے ساقی

ان سبھی سے جو بچی ہو وہی دے دے ساقی

مراثی میں مرثیہ نگار شعراء کا ذکر اور مرثیہ کی تاریخ ساحرؔ لکھنوی (پاکستان) اور ناشرؔ نقوی نے بھی بیان کی ہے لیکن کوثرؔ نے اسے ساقی نامہ کا حصہ بنا کر الگ انداز اختیار کیا ہے۔

ساقی اور پیاس کا خاص رشتہ ہے۔ ساقی نامے سے کوثرؔ مرثیے کا رُخ پیاس کی جانب موڑ دیتے ہیں۔ وہ پیاس کو علامت بنا کر اور مکمل معنویت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

پیاس جب رکھتی ہے تپتے ہوئے صحرا میں قدم

کانپ اٹھتا ہے سمندر کا بھی سینہ اُس دم

اُس کے بعد وہ پیاس کا رخ پیاس کے رازدار کی جانب موڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیاس کی حقیقت اگر انسان جاننا چاہے تو وہ محرمِ رازِ تشنگی سے ملے اور اس حقیقت کو سمجھے' کوثرؔ کہتے ہیں کہ

پیاس کا راز سمجھنا ہے تو پیاسے سے ملو

کربلا آؤ محمدؐ کے نواسے سے ملو

پیاس محمدؐ کے نواسے کے پاس جب آجاتی ہے تو پھر کتنی پُر تاثیر ہو جاتی ہے کس کس پر فتح پاتی ہے' کتنی قوی ہو جاتی ہے' کتنی مضبوط ہو جاتی ہے' کس کس پر فتح پاتی ہے اور کتنی بلندیوں پر پہنچ کر پیاس معراج حاصل کر لیتی ہے' کوثرؔ زیدی کہتے ہیں کہ

پیاس کرتی ہی رہی قلب سمندر زخمی
پیاس کے ایک تبسم سے تھا لشکر زخمی
پیاس سے ہو گیا بیعت کا مقدر زخمی
پیاس نے کر ہی دیا شمر کا خنجر زخمی

اپنی ٹھوکر پہ یزیدوں کا رکھے تاج ملی
کربلا آئی تو پھر پیاس کو معراج ملی

مرثیے کے اگلے بندوں میں وہ اسلام کا تعارف پیش کرتے ہیں اور اس طرح کہ جس سے اسلامی تعلیمات عام انسان بھی سمجھ سکے۔اور کربلا میں پیش کیا گیا اسلام سمجھا جا سکے، صرف دو مصرعے ملاحظہ ہوں

گھر میں فاقے بھی رہیں اور سخاوت بھی رہے
انتہا یہ ہے کہ دشمن پہ عنایت بھی رہے

قدیم مراثی میں سراپا نگاری ایک اہم حصہ رہا ہے۔شعراء نے اس میں اپنی طبع کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں اور اپنی جمالیاتی حس کا ثبوت پیش کیا ہے۔سراپا نگاری جزویات نگاری کا بھی اچھا نمونہ ملتا ہے اور اکثر سراپا یا تلوار کی تعریف میں شعراء نے تخیل کا رنگ پیدا کر دیا ہے۔

کوثر اپنے ممدوح حضرت ابوالفضل عباسؑ کا سراپا نہیں بلکہ سراپا کا صرف تصور دو مصرعوں میں بالکل انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ایک بند کی بیت ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں کہ

شکل عباسؑ تصور میں اگر لائیں بھی
انگلیاں کاٹ لیں خود اپنی زلیخائیں بھی

'ہر عزادار کو اللہ سلامت رکھے' آخری مصرع کہہ کر مرثیہ ختم کر دیا ہے۔

کوثر زیدی کے اس مرثیے کی شکل میں پہلی تخلیق کے اس سرسری جائزے کے بعد یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کے ایوانِ مرثیہ میں آمد' مرثیے کے مستقبل کے سلسلے میں ایک اچھا شگون ہے اور یہ کوثرِ فکر اسی طرح رواں دواں رہی تو یقیناً مرثیے کے سرمائے میں قابلِ قدر اضافے ہوں گے' اور یہ صرف امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ اب ان کا قلم اس میدان میں جاری رہے گا' خوب سے خوب تر سامنے آتا رہے گا۔ نقش اوّل ایسا ہے تو پھر نقشِ ثانی کیسا ہو گا' اس کا اشتیاق رثائی ادب کے حلقوں کو رہے گا۔

میری دعاء ہے کہ کوثر زیدی کا بُراقِ فکر آئندہ اور بھی بلندیوں کی طرف پرواز کرے۔ آمین

ڈاکٹر عظیم امروہوی
موسیٰ اپارٹمنٹ 16اے ذاکر نگر جامعہ نگر
نئی دہلی 110025

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

پروردگارِ عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پھر مجھے اس لائق سمجھا کہ میں بارگاہِ رسالت مآبؐ میں آپ کی اولاد کی مدح وثناء کے ذریعہ پھر شرفِ باریابی حاصل کر سکوں، ہر چند کہ اس سے قبل میرے تین مجموعۂ کلام

کوثر کوثر، فرات وکوثر، شمیم کوثر

میرے مختصر تعارف کے ساتھ مؤمنین کرام سے دعاؤں کی جستجو میں ملک اور بیرونِ ملک قریہ قریہ بستی بستی مصروف سفر ہیں اور کئی اعزازات کے ساتھ مقبولِ مومنین ہو چکے ہیں، بہر کیف

فرازِ کوثر

کے عنوان سے یہ میرا پہلا مرثیہ ہے جو پھر آپ کے اذہانِ عالیہ پر دستک دیکر اپنی آمد کا اعلان کر کے پھر آپ سے دعاؤں کا طالب ہے۔

پھر بھی محبانِ علم وہنر کی ادبی عدالت میں حاضر ہوئے بغیر ہی اس اعتراف کے ساتھ اور اپنی علمی کم مائگی کے ساتھ مجھے یہ لکھنے میں ذرا بھی جھجک نہیں کہ زیرِ نظر مرثیے میں ضرورت شعری اور محاسنِ شعری کے سبب جو کچھ ہے جیسا ہے حاضر ہے اور حوصلہ افزائی کا طالب ہے۔ تاہم بارگاہِ حضرت ختمی مرتبتؐ میں اس سچائی کے ساتھ حاضر ہوں،

یا محمدؐ نہ میں عالم نہ مقرر نہ خطیب

ہاں عقیدت ہی عقیدت ہے مگر فن سے غریب

سرکارِ وفا حضرت عباسؑ علمدار کا یہ مرثیہ، فرازِ کوثر کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ حمد ونعت

منقبت سلام وغیرہ کا پانچواں مجموعہ بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش میں ہوں۔ آپ حضرات کی محبتیں اور دعائیں ہی تو میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔

کوثر زیدی کیرانوی
میراں حویلی، سہد ریان
کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو پی)

۲

دعائیہ

میرے اللہ مجھے تو نے نوازا اتنا
میں تو ہر سانس میں کرتا ہوں ترا شکر ادا
میں کہا اور کہاں آلِ محمدؐ کی ثنا
تُو تو رزاق ہے کر رزقِ تکلم بھی عطا

تو جو چاہے تو ہر اک کام مرا ہو جائے
مرثیہ گوئی میں بھی نام مرا ہو جائے

مطلع

پھر معطر ہوا گُل ہائے عقیدت سے قلم
پھر جھکا جاتا ہے تعظیمِ مودّت سے قلم
پھر مخاطب ہوا قرطاسِ صداقت سے قلم
پھر ملا مرثیہ گوئی کی روایت سے قلم

مرثیہ جانِ سخن ہے تو سخنور میں بھی
مرثیہ گویوں میں شامل ہوا کوثر میں بھی

۴

دعائیہ

میرے معبود بنا ایسا سخنور مجھ کو
اپنا مداح کہیں ساقیٔ کوثر مجھ کو
صدقۂ پنجتنِ پاک عطا کر مجھ کو
یوں بھی درکار نہیں لعل و جواہر مجھ کو

یا محمدؐ کہوں کردارِ ابو ذر مل جائے
اُس کو کیا چاہیے جس کو ترا در مل جائے

۳

دعائیہ

میرے معبود مری اب یہ دعاء ہے تجھ سے
اذنِ پرواز مری فکر کے طاؤس کو دے
تاکہ یہ جاکے مدینے کی زیارت کرلے
یعنی کعبہ و نجف کرب و بلا میں ٹھہرے

کوفہ و شام سے جب اس کا گزر ہو یارب
اب کہیں بھی کوئی نیزے پہ نہ سر ہو یارب

۵

نعتیہ

یا محمدؐ نہ میں عالم نہ مقرر نہ خطیب
ہاں عقیدت ہی عقیدت ہے مگر فن سے غریب

ارجُمند تیری عنایت سے ہوا میرا نصیب
تو محمدؐ ہے خدا جس کو کہے میرا حبیب

سارے نبیوں کی دعاؤں کا وسیلہ تو ہے
جس کے صدقے میں یہ پیدا ہوئی دنیا تو ہے

۶

نعتیہ

تیرے صدقے میں دعاء ہوگئی آدمؑ کی قبول
خود بھی پاکیزہ ہے پاکیزہ ہیں سب تیرے اصول

تو نے کانٹوں میں بھی مہکا دیئے اخلاق کے پھول
چاند تاروں میں درخشاں تری نالین کی دھول

سارے نبیوں سے سِوا تیری فضیلت کر دی
تجھ پہ اللہ نے بس ختم نبوت کر دی

۷

گفتگو

بعد تیرے ترے نائب کی اجازت ہو اگر
جتنے مضمون انوکھے ہوں چلے آئیں ادھر
اور پھر نعرۂ صلواۃ پڑھیں سب مل کر
حق پرستوں کی حمایت ہی رہے پیشِ نظر

اتنا سب کچھ ہو تو پھر صاحبِ کردار بنیں
داخلِ مرثیہ ہو جائیں عزادار بنیں

۸

گفتگو

جو مفاہیم نئے ہوں سبھی شرکت کر لیں
میرے ہمراہ ادا اجرِ رسالت کرلیں
بندشیں، آن کے مصرعوں کی اطاعت کر لیں
با وضو جتنے ہیں الفاظ جماعت کر لیں

صف بصف ہوں تو یہ انداز نیا ہو جائے
یوں نمازِ غمِ شبیرؑ ادا ہو جائے

۹

گفتگو

یہ ہیں آدابِ مراثی کہ فصاحت بھی رہے
التزاماتِ فصاحت میں بلاغت بھی رہے
خامہ قرطاس پہ مصروفِ عبادت بھی رہے
یعنی جو کچھ بھی لکھے اس میں صداقت بھی رہے

بات سچی ہو تو پھر دل پہ اثر کرتی ہے
خارزاروں میں بھی پیدا گُلِ تر کرتی ہے

۱۰

گفتگو

یہ دعاء بھی مرا معمول ہے اب بعد نماز
روضۂ شاہِ نجف تک مری پہنچے آواز
اس نئی نسل کی اللہ کرے عمر دراز
اس کے یاور ہیں علیؑ اس لئے منصب ہے فراز

تیرے اسلام کی یہ نسل وفادار بنے
بچہ بچہ غمِ سرور کا عزادار بنے

۱۱

ساقی نامہ

پھر مقدس وہ نظارہ ہے کہ جھپکے نہ پلک
پھر ہیں مہتاب کی شاخوں پہ ستاروں کی چمک
پھر ہواؤں کی ہے آغوش میں کوثر کی مہک
پھر ہے ساقی کی نگاہوں میں محبت کی جھلک

کاش ایسے میں کوئی اتنی سفارش کردے
مجھ پہ بھی پھر مرا ساقی یہ نوازش کردے

۱۲

ساقی نامہ

با وضو ہو کے جو پی جاتی ہے دیدے وہ شراب
جو شریعت کی طرح آتی ہے دیدے وہ شراب
یعنی تقویٰ بھی جو کہلاتی ہے دیدے وہ شراب
صرف مومن ہی کو جو بھاتی ہے دیدے وہ شراب

جسم میں پاک لہو تھا تو روانی آئی
جب زلیخا نے یہ پی لی تو جوانی آئی

۱۳

ساقی نامہ

یہ وہ مے ہے کہ زمانے میں نہیں جس کی نظیر
روح اور جاں کے لئے بھی یہی مہ ہے اکسیر
اس کو پی لے کوئی مفلس تو وہ ہو جائے امیر
اس کے ہر جام پہ پڑھ لیجئے لکھا ہے غدیر

پہلے من کنتُ سے یٰسین لکھا ہے اس پر
اور اکملتُ لکُم دین لکھا ہے اس پر

۱۴

ساقی نامہ

ہاں یہی مے ہے مودت کی جو حسّان نے پی
اس کی چٹخار پہ میثم نے زباں تک دیدی
پھر فرزدق سے یہ ہوتی ہوئی دعبلؔ کو ملی
اتنی پاکیزہ کے قرآن کے سائے میں رہی

ہَل اَتا اس پہ ہوئی دم تو یہ بن کر آئی
چادرِ آیۂ تطہیر سے چھن کر آئی

۱۵

ساقی نامہ

شوق سے پیتے تھے جس کو وہ خلیقؔ ہوں کہ نفیسؔ
ہاں وہی مے جسے پیتے تھے دبیرؔ اور انیسؔ
وہ سبھی مملکتِ شعر و سخن کے تھے رئیسؔ
میکدہ ایک تھا مے ایک تھی اور تھے بھی جلیسؔ

ہیں رقم نام یہ میخانۂ مدحت میں سبھی
مست تھے آلِ محمدؐ کی محبت میں سبھی

۱۶

ساقی نامہ

مونسؔ و جوشؔ و مہذبؔ ہوں کہ نظمیؔ کہ نسیمؔ
محسنؔ و قیصرؔ و اُمیدؔ و لطافتؔ کہ کلیمؔ
نیّرؔ و ناشرؔ و ریحانؔ و نظیرؔ اور عظیمؔ
انصرؔ و میرؔ تکلم کہ بلالؔ اور شمیمؔ

مرثیہ گوئی کے میدان میں مشہور ہوئے
جن کے الفاظِ سخن منظرِ عاشور ہوئے

۱۷

ساقی نامہ

شہرتؔ و ہاشمیؔ گلریزؔ و ریاضؔ و گوہرؔ
واصفؔ و ماہرؔ و کیفیؔ و کمال و منظرؔ
کاظمؔ وطیبؔ و جرارؔ و شکیلؔ و سرورؔ
عادلؔ و رزمیؔ و توصیفؔ و مُشیرؔ و ساغرؔ

محترم نام ابھی اور ہیں میخواروں کے
حشر تک یاد رہیں گے جو عزاداروں کے

۱۸

ساقی نامہ

ہاں وہی مے جو ہوئی رنگِ کسا سے رنگین
ہاں وہی مے جسے پیتے تھے کبھی میرؔ متینؔ
جس کے انوارؔ کی تنویرؔ سے ہو جائے حُسینؔ
ہاں وہی مے جسے پیتے تھے جمیلؔ اور مبینؔ

انتظارؔ آلِ حسنؔ ساجدؔ و سبطینؔ نے پی
پھر وصیؔ عشرتؔ و سرورؔ میاں ثقلینؔ نے پی

۱۹

ساقی نامہ

چودہ صدیوں کے یہ دن رات یوں ہی بیتے ہیں
اس کے قطروں ہی سے ہم زخمِ جگر سیتے ہیں
اس کو پی کر ہی ربیدؔ اور رفیعؔ جیتے ہیں
انقلابؔ اور رضاؔ عینؔ الحسن پیتے ہیں

دیکھ کر ظرف مرا بس ابھی دیدے ساقی
ان سبھی سے جو بچی ہو وہی دیدے ساقی

۲۰

گریز

پھر ہوا یہ کہ کوئی خواب سا میں نے دیکھا
اور مرا خدمتِ ساقی میں عریضہ پہنچا
پڑھ کے ساقی نے بڑے لطف و کرم سے یہ کہا
تیری خواہش ہے مے مدحت مولا پینا

جامِ توصیف سے پہلے تو قناعت کو سمجھ
کربلا آکے یہاں پیاس کی عظمت کو سمجھ

۲۱

پیاس

پیاس پھولوں کو ملی اور کبھی خاروں کو ملی
پیاس بھرپور جوانی میں بہاروں کو ملی
یہ مسافر کو ملی راہ گزاروں کو ملی
مختصر یہ ہے کہ دریا کے کناروں کو ملی

ویسے کم ظرف کی حد میں بھی نہیں رہتی ہے
ظرف والے ہوں جہاں بس یہ وہیں رہتی ہے

۲۲

پیاس

پیاس جب رکھتی ہے تپتے ہوئے صحرا میں قدم
کانپ اٹھتا ہے سمندر کا بھی سینہ اُس دم
پھر تو اللہ بھی رکھتا ہے صداقت کا بھرم
خشک ہوتا نہیں اس وقت مؤرخ کا قلم

پیاس کی عظمتیں بڑھ جاتی ہیں تحریر کے ساتھ
نام اس کا بھی لکھا جاتا ہے شبیرؑ کے ساتھ

۲۳

پیاس

کوئی سمجھا ہی نہیں پیاس کا مفہوم ہے کیا
صرف بھڑکے ہوئے شعلوں کو بجھانے کے سوا
پیاس ہے فلسفۂ صبر و تحمل کی بنا
علقمہ آج بھی رو رو کے یہ دیتی ہے صدا

پیاس کا راز سمجھنا ہے تو پیاسے سے ملو
کربلا آؤ محمدؐ کے نواسے سے ملو

۲۴

پیاس

پیاس کے دشت میں پھیلی جو شہادت کی مہک
ذرے ذرے کو ملی نور کی اک ایسی چمک
نعرۂ حق کی صدا گونج گئی تا بہ فلک
وقت بھی دیکھ رہا تھا بنا جھپکائے پلک

پیاس پر ایسا شباب آج نظر آیا ہے
جیسے سورج سوا نیزے پہ اتر آیا ہے

۲۷

اسلام

امن و اخلاق و محبت میں صداقت بھی رہے
گھر میں فاقے بھی رہیں اور سخاوت بھی رہے
حق و انصاف رہے صبر و قناعت بھی رہے
انتہا یہ ہے کہ دشمن پہ عنایت بھی رہے

ہر بہادر کو جہاں ضبط کیا جاتا ہے
در حقیقت اسے اسلام کہا جاتا ہے

۲۸

اسلام

دینِ اسلام کو لائے تھے رسولؐ دوسرا
بچپنے سے ابو طالبؑ کی پناہوں میں رہا
مال و زر اس پہ خدیجہؓ نے بھی قربان کیا
خانۂ فاطمہؑ زہرا میں یہ پروان چڑھا

شان و شوکت اسے سب حق کے ولی نے بخشی
زندگی اس کو حسینؑ ابنِ علیؑ نے بخشی

۲۹

امام حسینؑ

وہ حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ رسول الثقلین
سیدہ فاطمہ زہرہ کے ہے وہ دل کا چین
اور ہے حیدرِ کرار کا وہ نور عین
جس کو ہر قوم یہ کہتی ہے ہمارا ہے حسینؑ

بات جب سامنے توحید و رسالت کی تھی
اس نے نیزے پہ بھی قرآں کی تلاوت کی تھی

۳۰

امام حسینؑ

دل یہ کہتا ہے کہ اب اس کی ولادت لکھوں
مختصر ہی سہی پر حسبِ ضرورت لکھوں
اس کی توصیف میں قرآن کی آیت لکھوں
تاکہ ہو جائے ادا اجر رسالت لکھوں

اس یقیں پر ہیں یہ قرطاس و قلم یا اللہ
غیبؔ سے ہوگی مدد آج بھی انشاء اللہ

۳۱

امام حسینؑ

تیسرا ہو گیا جس وقت امامت کا ظہور
خانۂ فاطمہؑ زہرا میں یہ تھا پانچواں نور
نور ہی نور سے حیران ہوئے عقل و شعور
مرحبا جس کے فضائل حد ادراک سے دور

با ادب ہو کے یہ جبرئیلؑ بھی کہتا ہے حسینؑ
نام کیا خوب یہ اللہ نے رکھا ہے حسینؑ

۳۲

امام حسینؑ

تہنیت دینے فرشتے بھی زمیں پر اُترے
عرش سے گلشنِ زہرا میں گل تر اُترے
اُس کو پر مل گئے جس کے تھے کبھی پر اُترے
چہرے کفار کے اس غم میں یہ کہہ کر اُترے

آ گیا پھر ابو طالبؑ کے گھرانے والا
ہے یہی دینِ محمدؐ کو بچانے والا

۳۳

امام حسینؑ

عرش پر جشنِ ولادت میں تھے حور و غلماں
دوسرا آگیا سردارِ جوانانِ جناں
شکر ربی میں تھے مصروف رسولِ دوجہاں
آئے جبرئیلؑ تو پھر ہو گیا محضر بھی عیاں

شادمانی میں جو شامل ہوا جب یہ غم بھی
ایک ہی وقت میں خوشیاں بھی ہوئیں ماتم بھی

۳۴

امام حسینؑ

اللہ اللہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا بچپن
جس پہ دانائیاں قربان ہوں ایسا بچپن
چشمِ انساں نے نہ ایسا کہیں دیکھا بچپن
تھا تو بچپن ہی مگر سب سے نرالا بچپن

جب یہ بچپن تھا تو ظاہر وہی فطرت بھی ہوئی
ناقہ بن جانے پہ مسرور نبوّت بھی ہوئی

۳۵

کھیلتے کھیلتے اک روز کہ بچپن تھا ابھی
ہوگئے داخلِ مسجد جو حسینؑ ابنِ علیؑ
اور اللہ کو منظور نہ تھی دل شکنی
لے کے پیغامِ خدا آگئے جبرئیلؑ تبھی

آپ کی پشت پہ اس دم ہے سوار ابنِ بتول
طول دیدیجئے سجدے کو ابھی میرے رسولؐ

۳۶

پھر ہوا یہ بھی کہ بچپن سے لڑکپن آیا
اس لڑکپن سے بہت فیض بزرگوں کو ہوا
اور اسلام جوانی کی دعاء دینے لگا
سلسلہ اور امامت کا یوں ہی بڑھتا گیا

بوئے عصمت کی ہوا دہر کو مہکانے لگی
گلشنِ فاطمہؑ زہرا میں بہار آنے لگی

۳۷

امام حسینؑ

ان بہاروں پہ خزاؤں کی نظر تھی تب سے
جنگ جب حیدرِ کرار نے کی مرحب سے
مرجبی ذہنوں میں تھا بغض و حسد بھی جب سے
یوں تو ایمان بھی لائے تھے مگر مطلب سے

آلِ احمد سے وہی بر سرِ پیکار ہوئے
یعنی شبیرؑ سے بیعت کے طلبگار ہوئے

۳۸

امام حسینؑ

نور کرتا نہ بھلا کس طرح ظلمت سے گریز
تھا نبیؐ اور علیؑ کو بھی حکومت سے گریز
جس طرح اہلِ محبت کو ہے نفرت سے گریز
یوں بھی ایمان کو باطل کی تھا بیعت سے گریز

بادِ صرصر کو نہ جس طرح چمن نے چاہا
اس خلافت کو علیؑ نے نہ حسنؑ نے چاہا

۳۹

امام حسینؑ

هو گیا تختِ خلافت پہ مسلط جو یزید
اس کے ہمراہ ہوئے جتنے تھے شیطاں کے مُرید
اور بھی آلِ محمدؐ پہ ہوئے ظلم شدید
بے گناہوں کو کیا قتل منائی گئی عید

اس کا کہنا تھا خدا ہے نہ نبیؐ ہے کوئی
کوئی قرآں نہ شریعت نہ وحی ہے کوئی

امام حسینؑ

ایسے بے دین کا شبیرؑ سے بیعت کا سوال
اللہ اللہ یہ جرأت کہ تصور بھی محال
ایسا ظالم کہ زمانے میں نہیں جس کی مثال
اس کو اک روز بھی آیا نہیں محشر کا خیال

ہر عمل اس کا تھا قدرت سے بغاوت کرنا
اس کا مقصد تھا زمانے میں حکومت کرنا

۴۱

امام حسینؑ

مر کے بھی ہوگئی بد بخت کی مٹی یوں پلید
نہ کہیں قبر نہ دنیا میں کوئی اس کا مرید
کوئی لکھے تو سہی جس کی ہو کچھ دید و شنید
اب تو رکھتا نہیں دنیا میں کوئی نام یزید

اس کا انجام حقیقت میں ہے ذلت کا مقام
نوعِ انساں کے لئے ہے بڑی عبرت کا مقام

۴۲

امام حسینؑ

وہ حسینؑ ابنِ علیؑ اس پہ درود اور سلام
ایسا معصوم کہ عصمت میں نہیں کوئی کلام
جس کا بیٹا بھی امام خود بھی امام باپ امام
جس کا بھائی اسے آقا کہے اور خود کو غلام

بھائی ایسا نہ زمانے میں کہیں دیکھا ہے
ما سِوا حضرتِ عباسؑ نہیں دیکھا ہے

۴۳

حضرت عباسؑ

منصبِ مادرِ عباسؑ پہ کیجئے جو نظر
آئیں تھیں خانۂ حیدر میں یہ زوجہ بنکر
بعد زہراؑ اُنہیں زینبؑ نے کہا جب مادر
رو کے فرمایا کہ شہزادی میں قرباں تم پر

جذبۂ خدمتِ حسنینؑ ہی میں لائی ہوں
ماں نہیں خادمہ بن کر میں یہاں آئی ہوں

۴۴

حضرت عباسؑ

اس گھرانے کی کنیزی میں جو آجاتی ہے
ہو سیہ فام بھی فِضّہ وہی کہلاتی ہے
گفتگو میں بھی جو قرآن ہی دوہراتی ہے
گھر میں حسنینؑ سے ماں کا وہ لقب پاتی ہے

کچھ حوالے ہیں جو مخصوص ہوئے باندی کے
ہر عزا خانے میں ہوتے ہیں علم چاندی کے

۴۶

حضرت عباسؑ

گود میں زینبؑ و کلثوم کی پلنے والا
انگلی پکڑے ہوئے شبیرؑ کی چلنے والا
بچپنے ہی سے شجاعت میں تھا ڈھلنے والا
معرکہ ہو تو علیؑ بن کے نکلنے والا

جیسے ہیں حیدر کرار لقب سے بھی اسد
یہ حسب سے بھی اسد اور نسب سے بھی اسد

۴۵

حضرت عباسؑ

یہ حقیقت ہے کہ حیدرؑ کی دعا ہے عباسؑ
فاطمہؑ کی بھی دعاؤں کا صلہ ہے عباسؑ
پیدا ہوتے ہی شہنشاہِ وفا ہے عباسؑ
خود ہی پڑھ لیجئے تاریخ میں کیا ہے عباسؑ

تربیت ماں کی ہے کردار ہے اس کا اپنا
فاطمہؑ نے بھی کہا ہے اسے بیٹا اپنا

۴۸

حضرت عباسؑ

قد و قامت میں جو حاصل ہے کمال اپنی جگہ
چال میں حضرت عباسؑ کی چال اپنی جگہ
عشقِ ممدوح میں شاعر کا خیال اپنی جگہ
حُسن میں حضرتِ یوسفؑ کا جمال اپنی جگہ

شکل عباسؑ تصور میں اگر لائیں بھی
انگلیاں کاٹ لیں خود اپنی زلیخائیں بھی

۴۷

حضرت عباسؑ

اس کا بابا ہے جو سورج کو بھی پلٹاتا ہے
ان کی دہلیز پہ تارا بھی اُتر آتا ہے
مرکزِ نور گھرانہ یہی کہلاتا ہے
ہاشمی چاند اسے یوں بھی کہا جاتا ہے

کیا ہے عصمت کا تقاضا اِسے معلوم بھی ہے
صرف معصوم صفت ہی نہیں معصوم بھی ہے

۴۹

حضرت عباسؑ

نامِ عباسؑ لیا تھا کہ ہوائیں مہکیں
پھر جو صلواۃ پڑھی میں نے دعائیں مہکیں
جن کے بیٹے ہیں وفادار وہ مائیں مہکیں
بھائی بھی خوش ہوئے بہنوں کی ردائیں مہکیں

تو وفادار تھا ہم بھی ہیں وفادار ترے
دیکھ دنیا میں کروڑوں ہیں علم دار ترے

۵۰

حضرت عباسؑ

جنگ صفین میں جب خود کو سجا کر آیا
ثانیِ شیرِ خدا شیرِ غضنفر آیا
لوگ حیران تھے لو دوسرا حیدر آیا
کوئی کہتا تھا کہ یہ فاتح خیبر آیا

کوئی کہتا تھا کہ اب صلح و صفائی کر لو
جان بچ جائے گی بس بند لڑائی کر لو

۵۱

حضرت عباسؑ

ہاں مگر کرب و بلا میں یہ وفادار حسینؑ
بھائی کے حکم پہ قرباں تھا علمدار حسینؑ
اتنا پابند ہوا تھا سپہ سالار حسینؑ
لب کشائی بھی نہ کرتا تھا یہ غم خوارِ حسینؑ

روزِ عاشور مگر شیرِ ببر چھوٹ گیا
غیظ میں آگیا اور ضبط کا بند ٹوٹ گیا

۵۲

حضرت عباسؑ

جوڑ کر ہاتھ کہا ہے تو یہ جرأت آقا
میرے سینے میں تڑپتی ہے شجاعت آقا
اب تو دیدیجئے لڑنے کی اجازت آقا
رن میں تلوار کو بس تھوڑی سی مہلت آقا

پیاسے بچے رہیں عباسؑ علی ضبط کرے
ظلم سہتے رہیں عباسِ علی ضبط کرے

۵۳

حضرت عباسؑ

غم زدہ ہو گئے یہ سن کے شہِ صبر و رضا
دل کو تھامے ہوئے عباسؑ کی جانب دیکھا
اور پھر زینبؑ و کلثومؑ سے جاکر یہ کہا
پیاسے بچوں کا تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

میں بھی اب ہو گیا بے آس اجازت دے دو
پانی لے آئیں گے عباسؑ اجازت دے دو

۵۴

حضرت عباسؑ

آکے عباسؑ سے زینبؑ نے یہ رو رو کے کہا
بھائی فرماتے تھے اک روز یہ مجھ سے بابا
سر سے چھن جائے گی اک دن ترے زینبؑ یہ ردا
میں نے سوچا تھا یقیں تو ہے مگر اے بھیا

جس کا عباسؑ سا بھائی وہ بہن ہے زینبؑ
جاؤ کچھ دیر میں پابند رسن ہے زینبؑ

۵۵

حضرت عباسؑ

جس گھڑی مشک و علم لے کے علمدار چلا
صورتِ شیرِ ببر جانب کفار چلا
غل ہوا فوجوں میں لو حیدر کرار چلا
لشکر شمر کو کرتا ہوا فی النار چلا

جنگ کرنے کا جو اذنِ شہِ ابرار نہیں
ایک نیزہ ہے فقط ہاتھ میں تلوار نہیں

۵۶

حضرت عباسؑ

کوئی کہتا تھا کہ دریا کی طرف آتا ہے
ہو بہو شاہِ نجف دُرِ نجف آتا ہے
شہ کی سقائی ہوئی جس کا شرف آتا ہے
خیر سینوں کی نہیں نیزہ بکف آتا ہے

جنگ کرنے پہ جو یہ آگیا حیدر کی طرح
جیت جائیں گے یہی آج بھی خیبر کی طرح

۵۸

حضرت عباسؑ

آکے میدان میں عباسؑ نے غصہ سے کہا
علقمہ ہی میں کہیں ڈوب اے فوجِ اعدا
تم ہو سیراب محمدؐ کا گھرانہ پیاسا
کردو میدان کو خالی ابھی چھوڑو دریا

بھاگنے والے کا ہرگز نہیں پیچھا کرتے
ہم کبھی اپنی طرف سے نہیں حملہ کرتے

۵۷

حضرت عباسؑ

آج عباسؑ کا دیکھے تو کوئی جاہ و جلال
ایسی ہیبت کہ ہوا جاتا ہے اب شمر نڈھال
آج ہو جائے گا ظالم کی حکومت کا زوال
موت حیران ہوئی دیکھ کے نیزے کا کمال

آج بیعت کے مریضوں کی دوا کوچ ہوئی
صرف نظروں ہی سے لشکر کی ہوا کوچ ہوئی

۶۰

حضرت عباسؑ

خیریت چاہو تو دریا سے ابھی ہٹ جاؤ
کیا تعجب ہے کہ لمحوں میں سبھی کٹ جاؤ
ہو جو ہمت تو ذرا دیر یہیں ڈٹ جاؤ
اے لعینوں میرے آگے سے سبھی چھٹ جاؤ

مشک خالی لئے خیمے میں نہیں جاؤں گا
غیظ میں آیا تو دریا ہی اٹھا لاؤں گا

۵۹

حضرت عباسؑ

ساری دنیا کا بہادر ہے وہ بابا میرا
مجھ کو زہراؑ نے کہا تھا کبھی بیٹا میرا
میں غلامِ شہِ مظلوم وہ آقا میرا
سارے پانی کا میں مالک ہوں یہ دریا میرا

تم کو معلوم ہے ہم کون ہیں کیا کیا ہم ہیں
ساری مخلوق میں بس افضل و اعلیٰ ہم ہیں

٦١

حضرت عباسؑ

گرمیٔ غیظ و غضب ہاتھ سے نیزے میں گئی
صورتِ برق و شرر پھر یہ اِنی تک پہنچی
دشمنوں نے بھی اسے آگ اگلتے دیکھی
رزق ملتا گیا اور شکر خدا کرتی رہی

کس کو مہلت تھی یہاں چشمِ کرم لینے کی
خود اجل کو بھی تو فرصت نہ تھی دم لینے کی

٦٢

حضرت عباسؑ

شیر مشکیزہ لئے جب لبِ دریا اُترا
پانی عباسؑ کے قدموں سے لپٹ کر رویا
خود کئی روز کا پیاسا تھا فرس بھی پیاسا
پانی چلّو میں اٹھایا بھی مگر پھینک دیا

یہ وفاداری و غیرت فقط عباس کی تھی
فکر اپنی نہیں بچوں کی اُسے پیاس کی تھی

۶۳

مطلع ثانی

جب ہوئی صبر کی تاریخ رقم دریا پر
عکسِ عباسؑ بنا ابرِ کرم دریا پر
سب سمٹ آنے لگے اہلِ ستم دریا پر
اور تنہا رہا سقائے حرم دریا پر

مشک بھر کر جو چلا جانبِ خیمہ عباسؑ
لگ رہا تھا پسرِ فاطمہ زہراؑ عباسؑ

۶۴

حضرت عباسؑ

شمر کہتا تھا کہ عباسؑ نہ زندہ جائے
ہر سپاہی کو یہ پیغام سنایا جائے
آج عباسؑ کو ہر سمت سے گھیرا جائے
خیمۂ شہ میں نہ اک پانی کا قطرہ جائے

پانی خیمہ میں جو پہنچا تو مصیبت ہوگی
آج عباسؑ کو چھوڑا تو قیامت ہوگی

۶۵

حضرت عباسؑ

چھپ کے ظالم نے جو تلوار کا اک وار کیا
ایک کے بعد یونہی دوسرا بازو بھی کٹا
مشک دانتوں میں دبائے ہوئے چلتا ہی رہا
تیر اک سمت سے مشکیزے پہ آکر جو لگا

جسم میں اب نہ رہا خون کہیں غازی کے
خاک میں مل گئے ارمان وہیں غازی کے

۶۶

حضرت عباسؑ

یک بیک بالی سکینہ کے ہوا دل پہ اثر
بولی زینبؑ سے پھپھی جان ہے کچھ تم کو خبر
اب تلک کیوں نہ چچا آئے ہیں پانی لے کر
کیا کروں اب تو علم بھی نہیں آتا ہے نظر

کوئی کہہ دے کہ بس اب بہرِ خدا لوٹ آؤ
اب نہ مانگوں گی میں پانی اے چچا لوٹ آؤ

٦٧

حضرت عباسؑ

جب قلم ہوگئے بازوئے علمدارِ حسینؑ
سر کے بل گر پڑا گھوڑے ہی سے غمخوارِ حسینؑ
اور تڑپنے لگا ریتی پہ وفادارِ حسینؑ
ہائے لٹ جائے گا کچھ دیر میں گلزارِ حسینؑ

دی صدا لاشِ غضنفر کو اٹھا لو آقا
آخری وقت ہے اب آکے سنبھالو آقا

٦٨

حضرت عباسؑ

سن کے آواز چلے خیمے سے جب شاہِ اُمم
خون روتی تھی زمیں کرب و بلا کی اس دم
سوئے دریا جو نظر کی نہ نظر آیا علم
گر پڑے اٹھ کے چلے اور کہا ہائے ستم

بے کسی میں جو تھی اک آس وہی چھوٹ گئی
ہائے عباسؑ کہا اور کمر ٹوٹ گئی

٦٩

حضرت عباسؑ

بولے عباسؑ کہ اب یہ ہے وصیت آقا
لے کے خیمے میں نہ جائیں میری میّت آقا
مجھ کو بچوں سے بہت آتی ہے غیرت آقا
خوں رُلاتی ہے سکینہ کی محبت آقا

اب یہ ارمان ہے دل میں یہی صورت کر لوں
آنکھ سے تیر نکا لو کہ زیارت کر لوں

٧٠

حضرت عباسؑ

رکھ کے سر زانو پہ عباسؑ کا بولے سرور
اے مرے شیر سے بھائی میں ہوں قرباں تم پر
ایسے عالم میں قرار آئے تو آئے کیوں کر
اب مرا کوئی مددگار نہ کوئی یاور

اپنے آقا سے ہوئی تیری جدائی کہدے
میرے بھائی مجھے اک بار تو بھائی کہدے

٧١

حضرت عباسؑ

بولے عباسؑ رُلاتا ہے سکینہ کا خیال
ہے یقیں مجھ کو وہ ہووے گی مرے غم سے نڈھال
پانی لیجا نہ سکا اس کا مجھے غم ہے کمال
حکمِ آقا نہ بجا لاؤں کہاں میری مجال

ہائے قسمت نے کہاں لاکے مجھے چھوڑ دیا
کہہ کے عباسؑ نے بھائی وہیں دم توڑ دیا

٧٢

حضرت عباسؑ

فرشِ مجلس پہ ہے اس وقت یہ غم کا منظر
ہائے عباسؑ کی آتی ہے صدا رہ رہ کر
مرثیہ ہو گیا مقبولِ عزا اے کوثر
فاطمہؑ اس کی جزا دیویں گی روزِ محشر

اب دعاء یہ ہے بھرم روزِ قیامت رکھے
ہر عزادار کو اللہ سلامت رکھے

(کربلا کی گود میں)

آ ئتیں رہتی ہیں جیسے اِنماء کی گود میں
ہیں بہتر(۷۲) کربلائیں کربلا کی گود میں

جب نبوت کی امامت پر ہوئی چشمِ کرم
آگئے شبیرؑ ہنس کر مصطفیٰؐ کی گود میں

دینِ حق کو حشر تک کی زندگی درکار تھی
بچپنے میں آگیا تھا مرتضیٰ کی گود میں

میرے بچے یوں وفاداری کے پروانوں میں ہیں
یہ وہ شمع ہے جو جلتی ہے ہوا کی گود میں

تیر کھا کر مسکراتا دیکھ کر بے شیر کو
آگئی تھک ہار کر بیعت قضا کی گود میں

قبر میں آکر سبھی بیماریاں رد ہو گئیں
ایسا لگتا ہے کہ ہوں خاکِ شِفا کی گود میں

اس طرح کوثر علم سے مشک ہے لپٹی ہوئی
مطمئن جیسے سکینہ ہو چچا کی گود میں

☆☆☆☆☆☆☆☆

التماسِ فاتحہ

برائے ایصالِ ثواب

ہمارے والدین

والد مرحوم

سید شوکت حسین ابنِ سید حسن ابنِ سید سجاد حسین ابنِ سید حسین علی

ابنِ سید میر سعادت علی (عرف شہادت علی زیدی)

نیز جد امجد

والدۂ مرحومہ

سیدہ کنیز کبریٰ بنتِ سید نیاز حسین (اللہ رکھا) ابنِ سید ذوالفقار حسین

ابنِ سید نثار حسین زیدی

نیز ان کے جد امجد

☆☆☆☆☆☆☆

تخلیق کار: سید محمد حسین کوثرؔ زیدی کیرانوی

پیش کش

سید علی حیدر زیدی (سابق راجیہ منتری، اترانچل سرکار، بھارت)

زیدی ہاؤس، قلعہ، منگلور ضلع ہری دوار

مینیجنگ ڈائریکٹر کبریٰ کنسٹرکشن کمپنی پرائیویٹ لمیٹیڈ، رشی کیش، اتراکھنڈ، بھارت